دعوتِ دین اور اس کے کارکن

محمد فاروق خاں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

یہ کچھ تقاریر ہیں جو افادۂ عام کے لیے شائع کی جارہی ہیں۔خواتین سے خطاب کویت میں کیا گیا تھا۔علماء کرام سے خطاب کا موقع بنگلور میں ملا تھا۔کچھ اور تقاریر ہیں جن کو ان شاء اللہ آئندہ شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

دعا ہے کہ خدا ہماری کوششوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔وما توفیقی الا باللہ۔

خاکسار

محمد فاروق خاں

علمائے دین سے خطاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

عزت مآب علماء کرام، مجھے آج آپ سے گفتگو کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ یہ خدا کا فضل و کرم ہے۔ آپ کو امت میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ اس لحاظ سے آپ کی ذمہ داری بھی سب سے زیادہ ہے۔ وارث انبیا ہونے کی وجہ سے آپ کو اپنے مقام کا احساس ہونا چاہیے۔ آپ کی منصبی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ آپ امت کو علمی و فکری اور عملی کسی لحاظ سے بھی بھٹکنے نہ دیں۔ جس علم و فضل سے خدا نے آپ کو بہرہ مند کیا ہے وہ آپ کے لیے اور امت کے لیے رحمت ثابت ہو۔

آپ جانتے ہیں کہ قوموں کی اصلاح میں علما کا خاص حصہ رہا ہے۔ لیکن علماء سو سے دین اور ملت کو جو نقصان پہنچا ہے وہ نقصان دشمن دین بھی دین کو نہیں پہنچا سکے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم پیش نظر رہے:

عَنْ اَنَس ابْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ: مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا؟ قَالُوْا: اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ قَالَ: اَللّٰهُ اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِیْ اٰدَمَ وَ اَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِیْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَهٗ، يَاْتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَمِيْرًا وَّحْدَهٗ اَوْ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ (بیہقی)

"حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ

سب سے بڑھ کر فیاض کون ہے؟ صحابہ نے کہا کہ اللہ اوراس کے رسولؐ زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، بنی آدم میں سب سے بڑھ کر میں فیاض ہوں۔ اوران میں میرے بعد سب سے بڑھ کر فیاض وہ شخص ہے جو علم حاصل کرے اوراس کی اشاعت کرے۔ وہ قیامت کے روز ایک امیر کی حیثیت سے آئے گا یا پھراس طرح کہ اس کی حیثیت ایک امت کی ہوگی۔''

فیاضی درحقیقت حیات کی علامت ہے۔ فیاضی مال کے خرچ کرنے سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ قابلِ رشک ہے جو خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ تبوک کی مہم کے موقع پر جب حضرت عثمانؓ نے اشرفیاں لا کر حضورؐ کے سامنے ڈال دیں تو آپؐ نے اشرفیوں کو الٹتے پلٹتے ہوئے فرمایا کہ اب عثمان کو کچھ بھی اسے نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ مطلب یہ کہ عثمان نے اپنے ایمان کا وہ ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ اس کے بھٹکنے کا کوئی اندیشہ نہیں رہا۔

لیکن یہ فیاضی بہت بڑی فیاضی ہے کہ کوئی علم دین حاصل کر کے اس کی اشاعت میں مصروف ہو۔ اسے یہ فکر دامن گیر ہو کہ خدا کا دین پھیلے اور مخلوقِ خدا اس سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہو سکے۔

علما کا یہ فرض ہے کہ جس دین کے وہ حامل ہیں اس کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ یہ طے کرلیں کہ آپ کو لوگوں کی رہنمائی کرنی ہے۔ یہ آپ کا فرض منصبی ہے۔

آپ کو ہر قسم کے تعصّبات سے پاک ہونا چاہیے۔ دینی مسائل میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ فطری ہیں اور دین میں توسع کی دلیل ہیں۔ ان مسائل کے سلسلہ میں شدت ہرگز اختیار نہ کریں۔ فروعی چیزوں کو اصل دین قرار دینے سے ہی فرقے وجود میں آتے ہیں اور امت کی توانائی باہمی نزع اور کشمکش میں ضائع ہو جاتی ہے اور امت کے اچھے سے اچھے افراد دین کی کوئی بڑی خدمت انجام نہیں دے پاتے۔

آپ کو اپنی دینی سرگرمیوں میں جن باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہیں:

۱— آپ اپنی ذمہ دارانہ حیثیت کا لحاظ رکھیں۔ قرآن میں ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ط اِنَّمَا

يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝٩ (الزمر:۹)

''کہو کیا جاننے والے اور وہ جو نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں۔''

فرمایا:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝١١ (مجادلہ:۱۱)

''جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنھیں علم عطا ہوا ہے اللہ درجات کے لحاظ سے انھیں بلندی عطا فرمائے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔''

ایک دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰۗؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۝٢٨

(فاطر:۲۸)

''اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتا ہے جسے علم حاصل ہے۔ بے شک اللہ زبردست اور معاف فرمانے والا ہے۔''

۲۔ دورِ حاضر کے علما جو خدمت انجام دے رہے ہیں ان کی اہمیت سے انکار نہ کریں۔ مدرسہ عربیہ کا قیام ان کی اہم خدمت ہے۔

۳۔ دینی احکام کی حکمت پر نظر رکھیں۔ مثلاً صلوٰۃ خوف، وقت قتال کے لیے مشروع نہیں ہے۔ بلکہ خوفِ قتال کے لیے مشروع ہے۔ قتال کی نوبت آجائے تو نماز مؤخر ہو جاتی ہے۔ صلوٰۃ خوف میں اگر قتال شروع ہو جائے تو نماز توڑ دی جائے گی۔

۴۔ عربی زبان کی حفاظت میں حصہ لیں۔ عربی کو فروغ دیں کہ یہ قرآن اور حدیث رسولؐ کی زبان ہے۔

۵۔ اہل علم کی ایک کمزوری یہ ہے کہ بالعموم وہ اپنی غلطی تسلیم نہیں کرتے۔ آپ ایسا نہ کریں۔ ائمہ مجتہدین ہر وقت اپنی رائے سے رجوع کرنے پر تیار رہتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے بہت سے مسائل میں رجوع کیا ہے۔ یہی حال دیگر ائمہ کا بھی رہا ہے۔ تواضع اتحاد کا اصل

گُر ہے، اسے نہ بھولیں۔

٦ — حب جاہ اور حبِ مال دونوں سے بچیں۔ اس سے دینی وقار مجروح ہوتا ہے۔ عزت اور عظمت معتبر وہی ہے جو خدا عطا فرمائے۔ علم کی قدر کریں، خدا سے ڈرتے رہیں۔

٧ — ذلت سے بچیں۔ ذریعۂ معاش کی فکر کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

٨ — بے جا تعلقات سے بچیں۔ وقت قیمتی سرمایہ ہے اسے ضائع نہ ہونے دیں۔

٩ — آپ کی حیثیت داعی کی ہے۔ داعی بنیں اور داعی بنائیں۔ ہر مومن کی حیثیت داعی کی ہے، لیکن آج ہم اس کو بھول گئے ہیں۔ ہر ایک مسلم کو حسب استطاعت دعوتی کام کرنا چاہیے۔ یہ شرافت، انسانیت اور دردمندی کا تقاضا ہے۔ دوسروں کو انجام بد سے بچانے کی کوشش کرنی مومن کا فرض ہے۔

١٠ — عوام سے آپ کا برتاؤ نرمی کا ہو۔ ان کی اصلاح کی فکر ہونی چاہیے، اگر آپ معلم ہیں تو طلبہ کی نگہداشت ضروری ہے۔ ان کی سیرت اور کردار کی تعمیر بھی ضروری ہے۔ تعلیم کے ساتھ تربیت کو لازم قرار دیں۔

مومن کی حیثیت داعی اور نگہبان کی بھی ہے۔ مومن کو صرف اپنی فکر نہیں ہوتی وہ دوسروں کے لیے بھی فکرمند ہوتا ہے۔ بہتر حالت یہ ہے کہ ہمیں خوشی حاصل ہو لیکن بہترین حالت یہ ہے کہ ہم سے دوسروں کو خوشی حاصل ہو۔ آپ کی دعا یہ ہو:

اے اللہ تو ویسا ہی ہے جیسا میں چاہتا ہوں۔ اب تو مجھے ویسا بنا دے جیسا تو مجھے دیکھنا چاہتا ہے۔ آمین

قرآن میں ہے:

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝ (الکھف: ٧)

''جو کچھ زمین پر ہے اسے تو ہم نے اس کے لیے زینت بنایا ہے تا کہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ عمل کے لحاظ سے کون ان میں سب سے بڑھ کر حسن کا حامل ہے۔''

١١ — علم کی حفاظت کریں، علم دین کی حفاظت عمل کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ عمل

کے بغیر علم ہمارے خلاف حجت ہے۔

۱۲ــ علما میں استغنا کی شان ہونی چاہیے ۔البتہ نظافت کی طرف توجہ ہو۔غیر مقصود کے درپے نہ ہوں۔فکر ہو تو عمل کی ۔زبان کی حفاظت کا خیال رہے۔نازیبا بات کسی حالت میں بھی زبان سے نہ نکلے۔موقع ہو تو تقریر وتحریر میں مہارت حاصل کریں۔مطالعہ اور غور وفکر سے کبھی بھی اپنے کو بے نیاز نہ سمجھیں۔

۱۳ــ امت کو اس کے اصل منصب اور منصبی ذمہ داری سے باخبر اور آگاہ کریں۔ بتائیں کہ امت اور افراد امت کی منصبی ذمہ داری شہادتِ حق ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور تاکید کے لیے تین بار فرمایا: اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْاَرْضِ ''تم زمین میں خدا کے گواہ ہو۔'' یعنی تمھیں حق کی گواہی عالم میں دینی ہے۔لوگوں کو بتانا چاہیے کہ انسان کی حیثیت بندہ کی ہے۔اسے بندہ بن کر زندگی گزارنی چاہیے۔اس کی زندگی خدا کی اطاعت میں گزرے۔ جو دین اور نظام زندگی خدا نے عطا کیا ہے، اس کی پیروی میں نجات ہے۔خدا سے بے نیازی اور بے پروائی اختیار کرنا ہلاکت کے سوا اور کچھ نہیں۔

۱۴ــ اپنا جائزہ لیتے رہیں۔انابت اور رجوع الی اللہ کو لازم ٹھہرائیں۔ارشاد خداوندی ہے:

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝۲۵ (بنی اسرائیل:۲۵)

''تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے جی میں کیا ہے اگر تم صالح ہوئے تو وہ بھی رجوع کرنے والوں کے لیے بڑا بخشنے والا ہے۔''

نوجوانوں سے خطاب

میرے عزیز نوجوانو! ،آپ سے گفتگو کرتے ہوئے بے حد مسرت کا احساس ہورہا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ کسی قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ نوجوان ہی ہوتے ہیں۔قوم کا مستقبل انھیں سے وابستہ ہوتا ہے۔نوجوانوں میں توانائی اورامنگ ہوتی ہے۔ ان میں کچھ کردکھانے کا حوصلہ بڑھا ہوا ہوتا ہے۔لیکن ضرورت اس کی ہوتی ہے کہ وہ بے راہ روی سے محفوظ رہیں۔ بے راہ روی کے امکانات بھی نوجوانوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔

میرے عزیز نوجوانو! کسی قوم کی عظمت کا راز اس بات میں چھپا ہوتا ہے کہ اس قوم کا مقصدِ حیات عظیم ہو۔اور مقصد کی عظمت کو قوم کا ہر فرد محسوس کرتا ہو۔زندگی کا اعلیٰ مقصد ہی آپ کو فکری اور عملی لحاظ سے عظمت اور بلندی سے ہم کنار کرسکتا ہے۔ اسلام نے ہمیں زندگی کے جس مقصد سے باخبر کیا ہے، اس سے بلند کسی مقصد کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ مقصد ہے خدا کی بندگی کے ذریعہ سے حیات جاوداں کی طرف بڑھنا اور عالم انسانیت کی اس طور پر پاسبانی کرنی کہ اسے ہم اس کے مقام بلند سے آگاہ کریں اور اس کے لیے ہر وہ طریقہ اختیار کریں جو ہمارے مقصد کے شایان شان ہو۔ہم لوگوں کی فکری رہنمائی کریں۔ کیونکہ فکر کی بلندی ہی لوگوں کو ہر قسم کی پستی سے نجات دلاسکتی ہے۔فکر بلند ہوگا تو زندگی بدلے گی، زندگی کا رخ بدلے گا تو تمناؤں اور آرزوؤں میں انقلاب آئے گا۔نگاہیں بدلیں گی، دل دیگر ہوگا۔ہر قسم کی تنگ دامانی سے ہم نجات پاجائیں گے۔ ہماری رغبت اور محبت کے معنی کچھ اور ہوں گے۔ہمارا عمل کائنات کی شرح کررہا ہوگا۔ہماری امیدوں کی تعبیر ذات خداوندی ہوگی۔زندگی محبت، عمل اور امید ہی کا نام

ہے۔ Some thing to love,Some thing to do and Some thing to hope.

یہی زندگی ہے۔ان ہی کی درستی پر زندگی کی صالحیت کا دارومدار ہے۔اسلام نے اس سلسلہ میں جو رہنمائی کی ہے،اس سے بہتر رہنمائی ممکن نہیں۔اس نے ہماری رہنمائی کیا کی ہے، ہماری زندگی کو غیر معمولی شرف بخشا ہے۔زندگی کو حیات جاوداں سے آشنا کیا ہے۔ اعمال کو حسن و جمال بخشا اور یاس وناکامی سے ہمیں نجات عطا کی۔

ا— اس سلسلے میں آپ کو ذمہ دارانہ زندگی گزارنی ہوگی۔بے پروائی اور بے اعتدالی سے بچنا ہوگا۔آپ کردار اور کیرکٹر کو اپنی سب سے قیمتی متاع سمجھیں۔صبر وتحمل، صدق ومحبت، درد وسوز اور وسیع النظری وفراخ دلی کے بغیر کردار کی تعمیر ممکن نہیں۔سیرت یا کردار سے آدمی میں غیر معمولی کشش اور جاذبیت پیدا ہوجاتی ہے اور اس کی زندگی خود ایک پیغام بن جاتی ہے۔ آپ کا اخلاق کریمانہ ہو۔آپ میں دل نوازی کی وہ شان ہو کہ آپ کہہ سکیں:

I am a rast of all whom I have met.

''میں جس کسی سے ملا اس کی زندگی کا حصہ بن کر رہا۔''

عام لوگوں میں گم ہو کر رہنے کے لیے آپ نہیں ہیں۔آپ کی اپنی ایک امتیازی شان ہو جو اسلام نے آپ کو بخشی ہے۔

۲— آپ کا کردار داعیانہ ہو۔آپ خود کو ارواح انسانی کا محافظ اور نگراں سمجھیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نوجوان تھے۔ان کے داعیانہ کردار کو قرآن نے محفوظ کر دیا ہے کہ کس طرح وہ جیل کے اندر پیغام حق سناتے ہیں۔انھوں نے جیل کے نوجوان ساتھیوں کی غم خواری کی اور انھیں حق کا پیغام پہنچایا اور رہا ہونے والے نوجوان قیدی سے کہا کہ بادشاہ سے میرا ذکر کرنا۔یعنی اس پیغام سے اپنے آقا کو بھی باخبر کرنا۔ پیغام حق کو اپنے ذکر سے تعبیر کیا۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ دعوت اور داعی میں کوئی فاصلہ اور اجنبیت باقی نہیں رہتی۔دعوت اور پیغام حق سے داعی کی اصل پہچان ہوتی ہے۔آپ جہاں اور جس حالت میں بھی ہوں اپنی اصل حیثیت کو فراموش نہ کریں۔جو مواقع حاصل ہوں ان سے پورا فائدہ اٹھائیں۔آج کے ذرائع ووسائل کا بھی بھرپور استعمال کریں، جامع مسجد دہلی کو دیکھنے کے لیے سیکڑوں غیر ملکی

روزانہ آتے ہیں ۔ مسجد کے جلال و جمال سے وہ متاثر ہوتے ہیں ۔ وہ کچھ جاننا بھی چاہتے ہیں لیکن اس سے ہم فائدہ نہیں اٹھاتے اور ان تک حق کا دل نواز پیغام نہیں پہنچاتے ۔ ایسے مواقع دوسرے شہروں میں بھی میسر ہوں گے ان سے فائدہ اٹھانا ہماری ذمہ داری ہے ۔

۳۔ آپ کا مزاج شاہانہ ہو ۔ افلاس زدہ ذہن قرآن کی تعلیمات کی عظمت اور حکمت کو نہیں سمجھ سکتا ۔ عظیم الشان جامع مسجد دہلی کا نقشہ ایک شہنشاہ کے ذہن میں ہی آسکتا تھا ۔ فکر کی بلندی اور اعلیٰ ظرفی دین کے مزاج کو سمجھنے میں مددگار ہوتی ہے ۔ پھر مخاطبت صرف زبان سے ہی نہیں ہوتی ۔ داعی کا وجود خود بول رہا ہوتا ہے ۔

پیکرِ عمل بن کر غیب کی صدا ہو جا

جس چیز کی دعوت دیں اور جس نعمت سے لوگوں کو آشنا کرنا چاہتے ہیں اس کے کیف سرور سے خود سرشار ہوں ۔ خوشی سنبھالے نہ سنبھل رہی ہو ۔ نغمہ ہے کہ پھوٹا پڑ رہا ہو ۔ پیغام کو حسین و دلکشن شکل میں پیش کریں جیسا کہ فی الواقع وہ ہے بھی ۔

۴۔ فکر کو جذبات کے سانچے میں ڈھالنا آپ کو آتا ہو ۔ آدمی ہمیشہ جذبات (Emotion) کی پیروی کرتا ہے ۔ ذہن (Intelect) کی کم مانتا ہے یقین جانیے جس طرح آدمی کھانا پینا اور جنسی جذبات کی تسکین وتکمیل چاہتا ہے ٹھیک اسی طرح خدا کی محبت اور اس کی پرستش کا داعیہ بھی انسان کے اندر پایا جاتا ہے ۔ اس داعیہ کو ابھارنے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ آپ کو جس چیز کی دعوت دینی ہے وہ آگئی ۔ (Awareness) کی دعوت ہے ۔ حق سے آگاہ اور آشنا کرنا ہے جو بے حد حسین و دل کش ہے ۔ آنکھوں ہی کے لیے نہیں دلوں کے لیے بھی اس میں دل ربائی ہے ۔ دعوت حق کا کام ایک نہایت نازک کام ہے ۔ یہ ایک فن یا آرٹ ہے اور شاید سب سے نفیس و نازک (Delicate) آرٹ ہے ۔

۴۔ آپ حقیقت پسند ہوں ۔ لوگ بھی کان اور معدنیات کی طرح ہوتے ہیں ۔ (حدیث) ۔ ہر کان سونے اور چاندی کی نہیں ہوتی ۔ لوگوں سے ان کی عقل کی سطح کے مطابق آپ کی گفتگو ہونی چاہیے ۔ عام لوگوں سے آپ کی گفتگو سادہ انداز میں ہونی چاہیے ۔ لیکن گفتگو ہو موثر ۔ دین کو بہ حیثیت نعمت اور خدا کی نوازش کے پیش کریں ۔

Take the manna of today. It is not a code of life but life also.

''دین آج کے لیے بھی نعمت ہے۔ یہ محض ضابطۂ حیات ہی نہیں بلکہ عین حیات بھی ہے۔'' جوش ہومگر ہوش کے ساتھ۔

۵ — آپ کے تعلقات ہر حلقہ کے لوگوں سے ہوں۔ مزدور طبقہ ہو یا سرمایہ دار۔ نوجوان طبقہ خصوصاً طلبہ آپ کے پیشِ نظر رہیں۔ نفوذ کی راہیں تلاش کریں۔ اس سلسلہ میں اصل بھروسہ دعوت حق پر ہو۔ بندگی رب اور محبت الٰہی کی دعوت ایک وجد انگیز دعوت ہے۔ یہ دعوت حقیقت میں دعوت الی الحیاۃ ہے۔ دعوت الی الحسنیٰ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس دعوت کو دستر خوان پر بلانے اور ابن وطاب کی کھجور سے تعبیر فرمایا ہے۔

آپ جو کچھ کہیں اس کے لیے ذہنی فضا تیار کریں۔ گفتگو ایسی ہو کہ مخاطب یہ محسوس کرے کہ آپ اس سے دلچسپی رکھتے ہیں اور آپ کے پاس آئے ہیں تو خود اسی کی بھلائی کے لیے۔

۶ — اپنے مبلغ علم کو ارفع کریں۔ اس کے لیے مطالعہ اور غور وفکر ضروری ہے۔ عمل کو ہمیشہ اہمیت دیں اور فرصت کے اوقات کی قدر کریں۔ کوشش کریں کہ آپ کا وقت ضائع نہ ہو۔

آپ اجتماعیت کی اہمیت سے غافل نہ ہوں۔ آپ کی وابستگی تنظیم سے ہونی چاہیے۔ نظم کی پابندی کریں۔ ڈسپلن کو اجتماعیت میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

۷ — اپنے پیغام اور اپنی گفتگو میں مخاطب کو کچھ نقد دینے کی کوشش کریں۔ ایک مرتبہ فٹ پاتھ پر پان بیچنے والے ایک غیر مسلم سے میں نے پان لگانے کو کہا۔ شام کا وقت تھا۔ اندھیرا پھیل گیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ لوگ کہتے ہیں سالہا سال سے یہ شخص فٹ پاتھ پر پان بیچ رہا ہے۔ کوئی ترقی نہیں کی۔ انھیں نہیں معلوم کہ اسی معمولی دکان سے میں نے اپنے بچوں کی شادی کی۔ گرچہ میں کوئی بلڈنگ نہیں کھڑی کر سکا۔ میں نے کہا کہ تم کتنے لوگ ہو۔ اس نے کہا کہ ہم آٹھ ہیں۔ ۶ بچے ہیں اور میں اور میری گھر والی۔ میں نے کہا کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ ہو ۹ اور کہتے ہو آٹھ۔ اس نے کہا ہمارے گھر کا حال آپ کو کیسے معلوم؟ میں نے کہا خوب معلوم ہے۔ گھر کا جو چیف ہے اس کو تم نے چھوڑ دیا۔ کیا پرماتما (خدا) تمہارے ساتھ نہیں۔ پرتما ہی سے تو شمار کرنا چاہیے تھا۔ لیکن تم نے پرماتما کو اپنے ساتھ شامل نہیں کیا۔ پرماتما کو

اپنے ساتھ شامل سمجھتے تو آٹھ کے بجائے نو کہتے۔ اس نے کہا آج میری کمر میں طاقت آ گئی۔ اب میں حقیر نہیں رہا۔ اتنے میں بجلی چلی گئی۔ میں نے کہا موم بتی جلالو۔ اور پیسے گن کر لے لو۔ اس نے کہا کہ جو اتنے بڑے گیان کی بات بتائے وہ کبھی بھی پیسہ کم نہیں دے سکتا۔ آپ سے گن کر پیسہ لینا پاپ ہے۔ ہاں تو آپ کی باتیں ایسی ہوں اور ان میں وہ تاثیر ہو کہ آپ کا مخاطب کچھ نقد بھی پالے۔

۸۔ آج دنیا میں مادیت کا غلبہ ہے۔ شاندار بلڈنگ کو تو لوگ دیکھ سکتے ہیں لیکن فکر اور کردار کی بلندی سے وہ نا آشنا ہیں۔ محض مادی منفعت ان کے سامنے ہے۔ بس دنیا ان کے پیش نظر ہے، آخرت سے غافل اور بے پرواہیں۔ مغربی تہذیب کا حاصل ہے خود غرضی اور عاجلہ پسندی۔ خدا اور آخرت سے بے خبری۔ مادی فلسفے کے مقابلہ میں فکر کی بلند تر سطح پر اسلام کو قابلِ فہم اور قابل قبول اور آرزو کی چیز (Desirable) بنا کر پیش کرنا چاہیے۔ یہ ایک انقلابی کام ہے۔ اس کے بغیر ہم باطل کو شکست نہیں دے سکتے۔ اندھیرا بڑھتا جا رہا ہے آپ سورج بن کر چمکیں کہ ظلمت کو سر چھپانے کی جگہ نہ مل سکے۔

خواتین سے خطاب

محترم خواتین! قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾ (التحریم: ۱۱،۱۲)

''اور ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اللہ نے فرعون کی بیوی کی مثال پیش کی ہے۔ جب اس نے کہا کہ میرے رب، تو میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے، اور نجات دے مجھے ظالم لوگوں سے۔ اور عمران کی بیٹی مریم کی مثال پیش کی ہے جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی پھر ہم نے اس خاتون کے اندر اپنی روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی۔''

خدا نے عورتوں ہی کے لیے نہیں مردوں کے لیے بھی دو خاتون کو مثال میں پیش کیا کہ وہ ان کے طرز عمل کو اپنے لیے اسوہ بنائیں۔ یہ دونوں ہی خاتون ایسی ہیں کہ ان کو سخت آزمائش سے دوچار ہونا پڑا۔ فرعون کے قبضہ میں پڑ کر بھی اور اس کے سخت گیر، باطل کوش، اور سخت دنیا پرست ہونے کے باوجود فرعون کی بیوی نے نہ تو ایمان کو خیرباد کہا اور نہ اپنے خدا سے مایوس

مایوس ہوئی۔ وہ فرعون اور اس کے کرتوتوں سے بیزاری کا اظہار کرتی ہے اور ظالم قوم سے نجات کی طلب گار ہوتی ہے۔ اسے خدا کا قرب سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس لیے قرب کی درخواست کو مقدم رکھتی ہے۔ اور پھر اپنے لیے جنت میں گھر بنانے کی خواہش ظاہر کرتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ خدا کا قرب ورضا سے بڑھ کر دوسری کوئی سرفرازی اور بخشش نہیں ہوسکتی۔ خدا جسے اپنا بناتا ہے اسے محروم نہیں رکھتا۔ اس لیے وہ اپنے رب سے جنت کی درخواست کرتی ہے کہ میں تیری عطا کی ضرورت مند ہوں۔ یہ ضرورت تو ہی پوری کرسکتا ہے۔ فرعون کا محل اور اس کے یہاں کا عیش وآرام چندروزہ ہے اس کے یہاں وہ سکون وراحت کہاں مل سکتی ہے جو تیرے قرب میں رہ کر حاصل ہوسکتی ہے۔

یہی وہ نقطۂ نظر ہے جو کسی شخص کو بلند وممتاز کرتا ہے۔ اس نقطۂ نظر کے بغیر کوئی شخص اس آزمائش کی دنیا میں فلاح اور کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ اور نہ اس امتیازی شان کا حامل ہوسکتا ہے جو امتیازی شان ایک مومن کی ہونی چاہیے۔

حضرت مریمؑ کو جس آزمائش میں ڈالا گیا وہ بھی غیر معمولی آزمائش تھی۔ وہ پاک باز خاتون تھیں۔ قرآن میں ان کا ذکر تفصیل سے آیا ہے۔ آپ غور کریں اپنے بیٹے مسیحؑ کو گود میں لے کر جب وہ قوم کے پاس آتی ہیں، قوم کہتی ہے کہ یہ تم نے کیا کیا؟

يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝۲۸
فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ (مریم:۲۸،۲۹)

”اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔
تب اس (بچے) کی طرف اشارہ کیا۔“

خدا کے حکم سے انھوں نے روزہ رکھ لیا تھا جس میں بولنا منع تھا۔ جس آزمائش سے وہ دوچار تھیں اس کی سختی کا اندازہ اس سے کیجیے کہ وہ کہتی ہیں۔

يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا

”کاش میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی اور بھولی بسری ہو کر رہ گئی ہوتی۔“

وہ صرف بچے کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ یہ میرا بچہ بتائے گا کہ میں کیسی ہوں صبر سے

کام لو۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ کی پیغمبرانہ زندگی نے ثابت کر دیا کہ ان کی ماں کوئی غلط کار نہ تھی اور نہ حضرت مسیحؑ کی پیدائش نعوذ باللہ کسی بدکاری کے نتیجہ میں ہوئی تھی۔ حضرت مریمؑ نے ساری اذیتیں برداشت کیں، لیکن خدا کے کلمات اور اس کی کتابوں پر سے ان کا یقین متزلزل نہ ہوا اور نہ ان کی اطاعت اور فرماں برداری اور خدا کے آگے ان کی نیازمندی میں کوئی فرق واقع ہوا۔

خدا نے ان دونوں فرعون کی بیوی اور حضرت مریمؑ کو مثال اور نمونہ کے طور پر پیش کیا کہ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں خدا اور اس کے دین سے برگشتہ ہونے کی کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ کسی بڑی سے بڑی آزمائش سے ڈر کر آدمی کو نہ اس آرزو کو ترک کرنا چاہیے جو سب سے بڑی آرزو ہے۔ جس کی وجہ سے زندگی بامعنی اور باوقار ہوتی ہے یعنی خدا کو راضی دیکھنے کی آرزو اور اس کے قرب کی تمنا۔ اہل دنیا اور باطل پرستوں کے پاس مکر و فریب اور جھوٹی عزت کے سوا اور کچھ بھی تو نہیں ہے۔

اسلام کی تاریخ میں مسلم خواتین نے ناقابل فراموش کردار ادا کیا ہے۔ انھوں نے خوشی خوشی خدا کی راہ میں تکالیف برداشت کیں۔ دل وجان سے دین کو عزیز رکھا۔ اور اپنے مومنانہ کردار سے دین کو قوت بخشی۔

حضرت خدیجہؓ بے تامل حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتی ہیں۔ آپ کو تسلی دیتی ہیں، غم گساری کرتی ہیں۔ جب لوگ آپ کو جھٹلا رہے تھے وہ ایمان لائیں۔ اپنی دولت آپ پر نثار کر دی اس وقت جب کہ لوگ آپ کو محروم رکھ رہے تھے۔

حضرت حارث بن سراقہ کم عمری میں شہید ہو گئے۔ ان کی ماں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتی ہیں کہ کیا میرے بیٹے کی قربانی قبول ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا اسے شہید کی موت نصیب ہوئی، جنت ملی۔ ماں ایسا مطمئن ہو جاتی ہے جیسے سرے سے کوئی نقصان ہوا ہی نہیں۔

جنگ احد میں حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کاندھوں پر پانی کی مشکیں لٹکائے پیاسوں کو پانی پلا رہی تھیں۔

حضرت عمرؓ اپنی بہن فاطمہ کے جذبہ ایمان سے متاثر ہو کر اسلام کے خیمے میں داخل ہوتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ نے ستر ہزار درہم خدا کی راہ میں ایسی حالت میں صدقہ کیا کہ کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ انھوں نے ایثار کی عظیم مثال قائم کی۔ ان کی آرزو تھی کہ مرنے کے بعد حضورؐ ہی کے پہلو میں دفن ہوں۔ حضرت عمرؓ کی خواہش پر اپنے لیے جو جگہ مخصوص تھی انھیں دے دی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خشک مزاجی کے ساتھ نہیں رہتی تھیں۔ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عائشہؓ مجھے معلوم ہو جاتا ہے جب تم خوش ہوتی ہو اور جب ناخوش ہوتی ہو۔ خوشی میں کہتی ہو محمدؐ کے رب کی قسم۔ ناخوشی میں کہتی ہو ابراہیمؑ کے رب کی قسم، حضرت عائشہؓ نے فرمایا اے اللہ کے رسول۔ آپ سچ کہتے ہیں۔ لیکن میرے دل سے آپ کبھی جدا نہیں ہوتے۔ اظہار خوشی اور ناخوشی کا یہ انداز کس درجہ خوش ذوقی اور لطافت طبعی کا ثبوت ہے۔ یہ ہر صاحب ذوق سمجھ سکتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فقیہ بھی تھیں۔ اس کے علاوہ ۲۲۲۰ حدیثیں ان سے مروی ہیں جن میں سے ۲۸۶ بخاری، مسلم میں موجود ہیں۔ کثیر روایت کرنے والوں میں آپ کا چھٹواں نمبر ہے۔ آپ سے تقریباً سو صحابہ و تابعین نے روایت کی ہے۔ تفقہ اور دقت نظری میں یکتا تھیں۔ حدیث روایت کرتیں تو ساتھ ہی حکمت، پر بھی روشنی ڈالتی تھیں۔ مثلاً ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ قربانی کے گوشت کو تین روز سے زیادہ نہ رکھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوسعیدؓ نے سمجھا کہ یہ حکم دائمی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ حکم نہ واجب ہے، نہ دائمی بلکہ مستحب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ قربانی کا گوشت لوگوں کو کھلائیں جمع نہ کریں۔

جمعہ کے غسل کے بارے میں فرمایا کہ مدینہ سے باہر کی آبادیوں سے لوگ جمعہ پڑھنے کے لیے آتے تو گردوغبار سے اٹے ہوئے، پسینے سے تر۔ ایک بار ایک صاحب آئے تو آپؐ نے فرمایا کہ آج کے دن غسل کر لیتے تو اچھا تھا۔

حضرت ام سلمہؓ سے ۳۷۸ حدیثیں مروی ہیں۔ امام ابن قیمؒ نے ۲۲ ایسی صحابیات کا ذکر کیا ہے جو فقہ اور فتویٰ میں مشہور تھیں۔

اسلامی تاریخ میں بہت سی ایسی خواتین کا ذکر ملتا ہے جو محدث تھیں، وہ حدیث کے درس و تدریس کی خدمت انجام دیتی تھیں۔ نام ور محدثین نے ان کی شاگردی اختیار کی ہے۔

خدیجہ بنت احمدؒ نویں صدی ہجری میں حدیث کی یگانہ روزگار عالمہ ہوئی ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ جیسے نابغۂ روزگار شخصیت نے ان سے حدیث کا درس لیا ہے۔ امام سیوطیؒ نے حدیث کی کئی عالم خواتین سے درس لیا ہے جیسے خدیجہ بنت احمدؒ کے علاوہ بی بی رجب مریم بنت علی، زینب بنت عبداللہ الازہری، حنیفہ بنت عبدالرحمان بن احمد۔ عائشہ اندلسیہ کودس ہزار احادیث زبانی یاد تھیں۔

ملکہ بنت شرف الدین بن عبداللہ مقدسی، آٹھویں صدی کی نام ور محدث خاتون تھیں۔ منقول ہے کہ امام ابن حجر عسقلانی نے ان سے حدیث کی اجازت حاصل کی تھی۔ ان کی وفات ۸۰۵ھ میں ہوئی۔ کریمہ بنت احمد مروریؒ وہ خاتون ہیں جن سے علامہ خطیب بغدادیؒ نے صحیح بخاری کی سماعت کی۔ ان کے علاوہ زینب بنت عبدالرحمان، شیریں بنت عبداللہ ہندیہ، جیبہ بنت عبدالرحمان، حنیفہ بنت عبدالرحمان، علیہ بنت حسان، فاطمہ بنت ابراہیم، امتہ الخلایق بنت عبداللطیف، عائشہ بنت مسلم، قدفہ بنت غفار بن نصیر، زینب بنت سلیمان، حمد بنت واثق، آمنہ رملیہ، عمایم بنت حسام الدین، فخرالنساء بنت ابونصر، سفری بنت قاضی یعقوب بن سلیمان، کتنی ہی ایسی خواتین کا نام ملتا ہے جن کو حدیث میں شہرت حاصل تھی۔ اور انھوں نے اپنی درس گاہ قائم کررکھی تھی۔ جس سے تشنگان حدیث اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ عورتوں میں حوصلہ اور سوجھ بوجھ رکھنے والی ایسی کتنی ہی خواتین گزری ہیں۔

محترم خواتین! تاریخ کی ان خواتین کا ذکر میں نے اس لیے کیا کہ آپ کو یقین ہو کہ خواتین علم دین کے میدان میں بڑی سے بڑی خدمت انجام دے سکتی ہیں۔ عورتیں بھی دل ودماغ رکھتی ہیں۔ ان کے بھی حوصلے ہوتے ہیں۔ دین کے کاموں میں ان کا بھی حصہ ہونا چاہیے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ایسی باتوں میں مقابلہ نہ کرو جن کو کل چھوڑ کر جانا ہے۔ خدا کا تقویٰ اختیار کرو جس کی طرف جانا ہے۔ ان چیزوں کی رغبت آپ میں ہو جو آخرت میں کام آنے والی ہیں۔

یو۔پی میں جب قرآن کا ہفتہ منایا گیا اور پڑھے لکھے ہندو بھائیوں کو ہندی ترجمہ قرآن کے کئی ہزار نسخے تحفتاً دیے گئے تو رپورٹ یہ ہے کہ ہندو خواتین نے یہ شکایت کی کہ ہمیں کیوں

نظر انداز کیا گیا۔ کیا ہم کو اس کا حق نہیں کہ قرآن کی تعلیمات سے باخبر ہوں۔ کیا قرآن صرف مردوں کے لیے ہے۔

دین حق نے انسانیت کا رتبہ بڑھایا ہے۔ عورتیں اس سے الگ نہیں ہوسکتیں۔ عورتوں پر مظالم ہوئے ہیں، اب بھی ہوتے ہیں۔ ستی کی رسم تک ایک زمانہ میں رائج رہی ہے۔ اسے مذہبی رنگ دے دیا گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو وہ عزت بخشی جس کی وہ مستحق تھی۔

آج دنیا میں جہاں کہیں بھی اسلام کی دعوت کا کام ہو رہا ہے اس میں عورتوں نے خصوصی دلچسپی لی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے تعاون کے بغیر یہ کام خاطر خواہ انجام نہیں پا سکتا خواتین کا تعاون اس کے لیے ضروری ہے۔ اس کی کئی شکلیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔ دعوتی سرگرمیوں میں اپنے شوہروں کا حوصلہ بڑھائیں۔ ان کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی نہ کریں۔ خدا کی راہ میں جدوجہد کی توفیق بہت بڑی سعادت ہے۔ ہر تفاخر کے سامان سے کہیں زیادہ اس کی قدر و قیمت ہے۔

۲۔ اپنی اولاد کی تربیت اس طرح کریں کہ انھیں گرویدگی کی حد تک دین سے تعلق پیدا ہو جائے۔ ماں کی گود بچے کی اولین درس گاہ ہے۔ ماں کی دیکھ ریکھ میں بچے کی صرف جسمانی نشوونما نہیں ہوتی بلکہ ذہن و رجحان اور ذوق وشوق وغیرہ ہر پہلو سے بچے کی نشوونما ماں کی آغوش سے شروع ہو جاتی ہے۔

۳۔ آپ ذوق وفکر کے لحاظ سے بلندی کی آرزومند ہوں، یہ آپ کا حق ہے۔ میترییئی ایک ہندوستانی خاتون نے زمانۂ قدیم میں کہا تھا کہ جو چیز مجھے امر (جاوداں) نہ بنا سکے اس کی میری نگاہ میں کیا قدر و قیمت ہوسکتی ہے۔ میں ہیرے اور سونے چاندی سے بہلنے والی نہیں ہوں۔ اس کی یہ آواز اتنی زوردار تھی کہ کانوں کو گویا آج بھی سنائی دے رہی ہے۔

۴۔ ایثار و قربانی کے لحاظ سے آپ کا حصہ کم نہیں ہونا چاہیے۔ یہ کسی ایثار سے کم نہیں کہ مادہ پرستی کی عام فضا میں آپ اپنی اس عظمت کو ترجیح دیں جو دولت و ثروت سے نہیں بلکہ دین کے ذریعہ سے حاصل ہوا کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دین کی نسبت سے کسی کو

لقب عطافرماتے تھے۔ جیسے سیف اللہ وغیرہ اوراجرآخرت ہی ہمیشہ آپؐ کے پیش نظر رہتا تھا۔

۵۔ اپنے حلقۂ تعارف کو زیادہ سے زیادہ دینی قدروں سے متعارف کرائیں۔ دین کے وقار اور اس کے حسن اور جاذبیت کو ہماری بے حسی سے سخت نقصان پہنچا ہے۔ اس کی تلافی کی فکر کریں۔

انسان فطری طور پر عزت اور محبت چاہتا ہے۔ دین جب مغربی تہذیب کے زیراثر عزت کی چیز نہیں رہا تو وہ اسے کہیں اور سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ حقیقی عزت خدا ہی عطا کرتا ہے۔ اور وہی عزت وعظمت معتبر بھی ہے جو خدا عطافرمائے۔ دین حقیقت میں خدا سے وابستگی کا نام ہے۔ اس سے وابستگی کے بعد اگر ہمارا ذہنی وفکری افلاس دور نہیں ہوتا تو اس کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ ہمیں ابھی دین کا سچا شعور حاصل نہیں ہوسکا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ دین خدا سے وابستگی سے عبارت ہے قرآن میں فرمایا گیا ہے:

هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا

''وہی (اللہ ہی) بہترین اجروثواب اور (تمہارا) بہترین انجام ہے۔''

وجدانگیز ہے یہ بات کہ خدا ہمارے اجروثواب اور ہمارے انجام کی تعبیر اپنی ذات سے کررہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ دین، ایمان اصل میں اپنے رب سے وابستگی ہے۔

۶۔ عورتوں کے کام کا میدان اصلاً عورتیں ہی ہیں۔ آپ خواتین میں بیداری پیدا کریں۔ آگہی (Awareness) ہی اسلام کا امتیاز ہے۔ انھیں یہ احساس دلائیں کہ دین بے حسی اور بے خبری نہیں سراپا علم وحکمت (Wisdom) ہے۔ جس سے اعلیٰ کردار وجود میں آتا ہے۔ اسلام نے کردار کا جو تصور پیش کیا ہے اس سے کامل اور اعلیٰ کسی کردار کا تصور بھی ہمارے ذہن میں نہیں آسکتا۔

۸۔ آپ کا کام منظم انداز میں ہو۔ تنظیم کے تحت ہو۔ کامیابی کے لیے انفرادی کوشش کی نہیں اجتماعی کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ تنظیم سے وابستہ خواتین میں باہم الفت ویگانگت کی کیفیت پائی جائے۔ یہی چیز تنظیم کو پائداری اور استحکام بخش سکتی ہے۔ باہم

ہمدردی، غم گساری، اور محبت دین کا تقاضا ہی نہیں عین دین ہے۔ یہ چیز اگر پیدا ہو جائے تو پھر کسی تعطل یا جمود کا امکان باقی نہیں رہتا۔

آپ یہ ہرگز نہ بھولیں کہ اسلام کا پیغام زندگی کا پیغام ہے۔ زندہ شخصیتیں ہی اس کی قدرشناس ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ قرآن میں کہا گیا ہے۔

لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۝۷۰ (یٰس: ۷۰)

"تاکہ وہ اسے خبردار کر دے جس کے اندر زندگی ہو اور اہل کفر پر حجت قائم ہو جائے۔"

۸۔ اسلام کا تعلق جہل سے نہیں ہے اور نہ اوہام پرستی سے ہے۔ اس لیے مطالعہ سے غافل نہ ہوں۔ مطالعہ اور غور و فکر کا سلسلہ قائم رہے۔ آپ کا مطالعہ منصوبہ کے تحت ہو۔ مطالعہ کا مقصد واضح ہو۔ انتخاب اچھی سے اچھی کتابوں کا ہو۔ اپنے کاموں کا جائزہ لیتی رہیں۔ اس کے ساتھ اس کا جائزہ بھی لیں کہ دینی سرگرمیوں سے خود آپ کے اندر کیا خوش گوار تبدیلی آسکی ہے۔ آپ کی باتوں میں کتنا وزن پیدا ہوا ہے اور آپ کا برتاؤ اور سلوک دوسروں کے لیے کس درجہ باعث راحت و اطمینان ثابت ہو رہا ہے۔ ہمیں خوشی ہو یہ بہتر ہے لیکن بہترین بات یہ ہے کہ ہم سے دوسروں کو خوشی اور مسرت حاصل ہو۔

۹۔ اس راہ میں صبر و استقلال لازمی ہے۔ صبر کے بغیر خدا کے راستے میں چلنا ممکن نہیں ہے۔ انجیل میں دس کنواریوں کی تمثیل یوں ہی بیان نہیں ہوئی ہے۔ کسی کام کا نتیجہ تو وقت پر سامنے آئے گا۔ اپنی تیاری کی طرف سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ (دیکھیں انجیل متی ۲۵)

قرآن میں ہے: وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ "اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔" سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ "سلامتی ہو تم پر اس لیے کہ تم نے صبر کیا۔"

آپ کے لیے بہترین روشنی اور رہ نما کتاب قرآن حکیم ہے۔ فرمایا گیا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝۲۰۳ (الاعراف: ۲۰۳)

"کہہ دو میں تو بس اس کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری جانب وحی کی گئی ہے۔ اس کی حیثیت بصائر کی ہے، یہ ہدایت ہے اور (انجام کے لحاظ

سے) رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔''

خودغرضی اور تساہل راہ خدا کے رہرووں کے لیے رہزن ہیں۔ جتنا زیادہ آپ کے اندر اخلاص اور للّٰہیت ہوگی اتنی خدا کی نوازشیں آپ کے حصے میں آئیں گی۔

ہماری دعا ہے کہ خدا ہم سب کو اپنی راہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔ اس راہ کے مسافر نہ بھٹکتے ہیں اور نہ ناکام ہوتے ہیں۔
